اصول الحکم فی الاسلام[1]

استاد علال فاسی - وزیر امور اسلامیہ مراکش

اسلامی حکومت کی خصوصیات اور اسلام میں حکومت کے کیا اصول ہیں، ان پر گفت گو کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حکومتوں کی جو جانی بوجھی شکلیں ہیں، ان کا ہم ذکر کر دیں تاکہ ان کے پس منظر میں اسلامی حکومت کی حیثیت کا تعین ہو سکے۔

آج کی حکومتیں یا تو شاہی ہیں یا جمہوری[2]۔ مغربی ملکوں میں کلیسائی نظام کی موجودگی اور اس کی وجہ سے دینی اصلاح کے سلسلے میں جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ میں کیتھولک اور پروٹسنٹ فرقوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے وہ آگے چل کر سیکولر (لادینی) نظام حکومت کو بروئے کار لانے کی تحریک کا باعث بنے جس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، وہ ملک کے باشندوں کے مختلف مذاہب کے معاملے میں غیر جانب دار ہو گی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سب کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی آزادی دی جائے گی سیکولر نظام حکومت کی اس تحریک کا قائد فرانس تھا، لیکن اس معاملے میں کسی بھی ڈیموکراٹی (ڈیموکریٹک) حکومت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ ان کے ہاں کسی نہ کسی مذہب کو سرکاری حیثیت دی گئی۔ بے شک اشتراکی

---

[1] مملکت مراکش کے شہر رباط سے "البینۃ" کے نام سے ایک علمی مجلّہ شائع ہوتا ہے۔ زیر نظر مضمون "اصول الحکم فی الاسلام" اس عنوان کے عربی مضمون کا ترجمہ ہے۔ (مدیر)

[2] مضمون نگار نے کافی تفصیل سے ان دونوں نظامہائے حکومت سے بحث کی ہے۔ یہ باتیں چونکہ معلوم و معروف ہیں، اس لئے ان کے ترجمے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مدیر

(سوشلسٹ) جمہوریتوں نے بھی مذہب میں غیر جانب داری کی پالیسی کو مانا ہے لیکن انہوں نے مملکت پر حکمراں پارٹی کو تھوپ دیا ہے، اور ان کے ہاں کلیسا کے عقیدے کی جگہ پارٹی کے عقیدے نے لے لی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے، جو ہر قسم کے کلیسائی اقتدار سے بے تعلق ہے، اس لئے بعض اسلامی حکومتوں کا دینی یا لادینی (سیکولر) نظامِ حکومت کے فکر کو اپنا نا غلطی ہے بلکہ سرے سے یہ بات ہی صحیح نہیں کہ اس مسئلے کو دنیائے اسلام میں اس رنگ میں پیش کیا جائے، جس رنگ میں کہ وہ یورپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دنیائے اسلام میں اس مسئلے کو عوامی حقیقتِ واقعی کی اساس پر رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یوں کہ قوم یا تو کسی عقیدے کو ماننے والی ہوگی، ظاہر ہے اس صورت میں اس کے نمائندے لامحالہ قوم کے اس عقیدے کا خیال رکھیں گے، کیونکہ اسی عقیدے کی بنیاد پر تو ان کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ یا وہ قوم کسی خاص عقیدے کو نہ ماننے والی ہوگی۔ یقیناً اس صورت میں اس کے نمائندے قانون سازی پر سوچ بچار کرتے وقت آزاد ہوں گے۔

الغرض عہدِ حاضر کے نظامہائے حکومت پر اس اجمالی تبصرے کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان نظامہائے حکومت میں "حکمِ اسلامی" کا کیا مقام ہے؟ اور اس کی کیا خصوصیات اور اصول ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے وقت ہمیں اس عہد میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور اس عہد میں جب کہ آپؐ کے بعد خلفاء برسرِ اقتدار آئے، فرق کرنا ہوگا۔

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد کی بنیاد آپؐ کی رسالت و دعوت پر تھی۔ آپؐ مسلمانوں اور دوسروں کی نظر میں امتِ اسلامیہ کے سردار، اس کے امور کے منتظم و نگراں، قاضی اور پیش آنیوالے معاملات کا فیصلہ کرنے والے اور شارع تھے اور اس کے ساتھ ہی آپؐ رسول مانے جاتے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی حکم ملتا تھا، وہ اس کی تبلیغ فرماتے تھے۔ خواہ وہ عقائد ہوں یا شریعت یا ایک خاص طریقہ کار اور منہاج۔

اس کے باوجود کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت دی گئی تھی اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری کرتے ہوئے دینِ اسلام اور مملکت اسلام کی تاسیس فرما رہے تھے، آپؐ کی حکومت آپؐ کی زندگی کے دوران دستوری اور مقید[1] رہی۔ چنانچہ آپ نہ صرف تمام دنیاوی امور

---

[1] اصل عربی لفظ "مقید" ہی ہے۔ یعنی مطلق العنان کی ضد۔ (مترجم)

میں اپنی امت سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، بلکہ بعض دینی امور میں بھی جب تک کہ ان کے بارے میں وحی الٰہی نہ آتی آپؐ صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اس حکم کے اتباع میں تھا وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔[1] نیز اسلامی معاشرے کو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس قالب میں ڈھالا تھا، قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے وامرھم شوریٰ بینھم۔[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے جن امور میں مشورہ فرمایا، ان میں سے ایک غزوۂ بدر کے قیدیوں کے فدیے کا معاملہ تھا اور دوسرا اذان کا۔ آپؐ نے نر اور مادہ کھجوروں کے پھولوں کو باہم ملانے کے متعلق ایک رائے دی تھی۔ لیکن بعد میں صحابہ کے کہنے سے اپنی اس رائے سے آپ نے رجوع کر لیا۔ یہ واقعہ حدیث اور سیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔

آپؐ کے عہد میں حکم اسلامی میں مشورے کی روح جس طرح جلوہ گر تھی، اس کا ثبوت آپؐ کے اس عہد نامے (میثاق) میں ملتا ہے، جس میں آپ نے مہاجرین، انصار، اہل مدینہ اور اس کے قبائل کو ان کے حسب و نسل و مذہب کے اختلاف کے باوجود امن کی ضمانت دی تھی۔ آپؐ نے یہ معاہدہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی کیا تھا۔ اور یہی معاہدہ نہایت وضاحت سے ان بنیادوں کا تعین کرتا ہے، جن پہ امت محمدیہ اور اس کی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

اگرچہ یہ معاہدۂ نبوی ان قدیم ترین دستاویزوں میں سے ہے، جنہیں کتب سیر نے ہمارے لئے محفوظ رکھا اور جو شرعی احکام مدوّن ہوئے، ان میں سے یہ سب سے پہلوں میں سے ہے، اور سب سے زیادہ اہم ہے، لیکن اس کے باوجود حکم اسلامی، اس کے اقتدار کی نوعیت، اس کی فرمانروائی اور اسلام میں امت کی کیا سیاسی حیثیت ہے، ان امور پر بحث کرنے والے علمائے اسلام نے اس کو نظر انداز کیا۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اسے اس سلسلے میں پیش کروں اور اس کی ضروری

---

[1] آپؐ پیش آئندہ امر میں ان (صحابہ) سے مشورہ کیا کریں۔ اور جب آپ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔

[2] ان (صحابہ) کا دستور آپس میں مشورہ کرنا ہے۔

تشریح بھی کر دوں تاکہ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان عہد کی یاد تازہ ہو جائے۔ اور دوسرے مسلمانوں کو اولیں دستور اسلامی کی یاد دلائی جائے۔ جو ان کے لئے اس طریقے کی نشان دہی کرتا ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت اسلامیہ کی تاسیس اور اس کی سیاسی و اجتماعی تشکیل کے ضمن میں عمل فرماتے تھے۔

معاہدہ نبوی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر محمد النبی (رسول اللہ) کی طرف سے ہے مومنین و مسلمین قریش اور اہل یثرب اور جو ان کے تابع اور ان سے ملحق ہیں، اور ان سے مل کر انہوں نے جہاد کیا ہے، ان کے درمیان بے شک یہ سب لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔ مہاجرین قریش اپنی جگہوں میں ہیں۔ وہ آپس میں مل کر مقتولوں کی دیت (خون بہا) دیں اور ان میں جو مصیبت زدہ ہو، اس کی دستور کے مطابق اور مومنوں میں جیسا عدل و انصاف ہونا چاہیئے، اس کے تحت مدد کریں۔ بنو عوف اپنی جگہ میں ہیں۔ اور وہ جس طرح پہلے مقتولوں کی دیت دیتے تھے۔ دیت دیں۔ اور ہر گروہ اپنے میں سے مصیبت زدہ کا دستور کے مطابق اور مومنوں میں باہمی عدل و انصاف کے مطابق فدیہ دے۔[1]

مومنوں میں اگر کوئی بے سہارا ہو تو وہ دستور کے مطابق اس کا فدیہ اور دیت دیں۔ کوئی مومن دوسرے مومن کے مولیٰ کو اس کی مرضی کے بغیر حلیف نہ بنائے۔ اگر مومنوں میں سے کوئی زیادتی کرے، تو اس کے خلاف سب مومن ایک ہیں۔ اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی ایک کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مومن دوسرے مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرے۔ اور نہ وہ دوسرے مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے۔ اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے۔ جو قریب ترین ہو وہ مدد کرے۔ اور مومن دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر آپس میں خود ایک دوسرے کے مولیٰ و مددگار ہیں۔ اور یہ کہ یہود میں سے جو بھی ہمارا تابع ہے، اس کے لئے مدد ہے۔ اور اس کے مخالف کی مدد نہیں ہو گی۔ مومنین کی صلح ایک ہے۔ کوئی مومن اللہ کی راہ میں جو لڑائی ہو رہی ہو، اس میں دوسرے مومن کو

---

[1] بنو عوف کی طرح مدینہ کے متعدد دوسرے قبائل کا بھی اسی طرح نام لیا گیا ہے۔ اور ان کے ساتھ بھی یہی عبارت مذکور ہے۔ بغرض اختصار یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ (مترجم)

چھوڑ کر عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے بغیر صلح نہ کرے۔ ہر گروہ باری باری سے ہمارے ساتھ غزوے کو نکلے۔ مومنوں کے خون آپس میں برابر ہیں۔ مومنین متقین بہترین طریقے پر ہیں۔ کوئی مشرک نہ تو قریش کے مال کو اور نہ ان کی جانوں کو پناہ دے۔ اور نہ وہ قریش اور مومنوں کے بیچ میں حائل ہو۔ جس نے ایک مومن کو ظلم سے قتل کیا ہو، اس سے لازمی طور پر اس کا قصاص لیا جائے گا، سوائے اس کے کہ مقتول کا وارث دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائے۔ اس معاملے میں تمام مومن قاتل کے خلاف ایک ہوں گے، اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کے خلاف نہ اٹھیں۔ کسی مومن کے لئے جس نے کہ اس صحیفہ (تحریر) کا اقرار کیا اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا۔ جائز نہیں کہ وہ کسی مفسد کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔ اور جس نے اس کی مدد کی یا اسے پناہ دی، تو اس پر اللہ کی لعنت اور یوم قیامت میں اس کی پھٹکار ہوگی، اور اس کے بدلے میں اس سے کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی۔

کسی چیز کے بارے میں تم میں جو اختلاف ہو، اسے اللہ اور محمدؐ (صلعم) کی طرف لوٹاؤ۔ جنگ میں یہود مومنین کے ساتھ خرچ کریں گے۔ یہودِ بنی عوف مومنوں کے ساتھ ایک امت ہیں۔ یہود کے لئے اپنا دین ہے اور مسلمانوں کے لئے اپنا دین۔ اور ان کے اپنے موالی اور اپنی جانیں ہیں[1]

یہود سے جو متعلق ہیں وہ بھی انہی جیسے ہیں۔ یہود میں سے کوئی بھی محمدؐ (صلعم) کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے[2]۔ جس سے کسی زخم کا بدلہ لیا جاتا ہو، وہ بدلہ دینے سے انکار نہ کرے البتہ جس پر خود یا اس کے اہل پر زیادتی کی گئی ہو، اس سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ عدل والا ہے۔ یہود پر ان کے مصارف ہیں اور مسلمانوں پر ان کے مصارف اور جو اس صحیفہ والوں کے خلاف لڑے، اس میں یہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ وہ باہم ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ایک دوسرے سے بھلائی کریں۔ اور آپس میں کسی کا بُرا نہ چاہیں۔

---

[1] اس کے بعد دوسرے یہود قبائل کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ ان کے بھی وہی حقوق ہیں، جو یہود بنی عوف کے ہیں۔ اختصار کی خاطر یہ حصہ بھی حذف کر دیا ہے۔ (مترجم)

[2] بعض نے اس کے معنی جنگ کے لئے نکلنے کے لئے ہیں۔ (مترجم)

کسی شخص سے اس کے حلیف کی وجہ سے زیادتی نہ ہو۔ اور جس پر ظلم ہوا ہو، اس کی مدد کی جائے لڑائی کے دوران میں یہود مومنین کے ساتھ خرچ کریں۔ اس صحیفہ والوں کے لئے یثرب کی سرزمین حرمت واحترام والی (دارالحرام) ہے۔ پڑوسی کے حقوق بھی اپنے جیسے ہیں، نہ تو اسے تنگ کیا جائے، نہ اس پر زیادتی ہو۔ لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کو زیر حمایت نہ لیا جائے۔ اس صحیفہ والوں کے درمیان اگر جھگڑا ہو، جس سے کہ فساد کا اندیشہ ہو، تو اسے اللہ اور محمد رسول اللہ کی طرف لوٹایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس صحیفہ میں جو کچھ ہے، اس سے زیادہ عدل وانصاف والا ہے۔ قریش کو اور جو ان کی مدد کریں۔ ان کو پناہ نہ دی جائے۔ جو یثرب پر حملہ کرے۔ اس کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اور اگر انہیں صلح کی طرف بلایا جائے، تو وہ اس سے صلح کریں۔

یہ تحریر کسی ظالم یا گناہ گار کی مدافعت نہیں کرتی۔ اور یہ کہ جو (غزوے کے لئے) نکلا وہ بھی امن میں ہے، اور جو بیٹھا رہا اور نہ نکلا، وہ بھی امن میں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس نے ظلم یا زیادتی کی ہو۔ جس شخص نے بھلائی کی اور ظلم اور زیادتی سے بچا رہا۔ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ اس کی پناہ ہیں۔

جیسے ہی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے، ایک طرف مہاجرین وانصار اور دوسری طرف مشرکین ویہود کے درمیان آپؐ نے یہ معاہدہ کیا تھا، جسے ہم "دستور مدنی" کہہ سکتے ہیں۔ اس دستور کی چند ایک خصوصیات یہ تھیں:۔

اس دستور میں "امت" کی تاسیس کا اعلان کیا گیا۔ یہ "امت" خونی رشتوں اور قرابت داری پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ ایک طرف اس کی بنیاد عقیدہ تھا، اور دوسری طرف باہم مدد کرنے اور حفاظت کی ذمہ داری۔ اس "امت" کے دروازے ہر ایک کے لئے جو اس میں داخل ہونا چاہے، کھلے تھے یا تو وہ اسلام قبول کرے اور مومنین میں شامل ہو جائے یا پھر ان کے ساتھ حلف میں شریک ہو۔ اور ان سے مل کر جہاد کرے۔

یہ دفعات بڑی وضاحت سے بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ایک اتنا بڑا انقلاب لائے، جس نے عرب کی معاشرے کی سر سے بنیاد ہی بدل دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب قبائل آپس میں لڑ رہے تھے اور ان میں سوائے خونی رشتے کے اور وہ کچھ۔

بہت ہی محدود پیمانے پر، باہم کوئی رابطہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ نے ان قبائل کو ایک بلند تر رابطے میں منسلک کیا، اور وہ تھا "ایک امت" کا رابطہ، جس کی اپنی ایک "سرزمین" ہے، گو اس "امت" میں شامل ہونے والوں کے مذہبی عقائد اور نسب و نسل مختلف تھے۔

اب اس "امت" میں ایک تو مومنین مہاجرین و انصار تھے۔ دوسرے مشرکین اور یہود نیز اور عرب قبیلے تھے جن میں بعض مسلمان ہو چکے تھے اور بعض مشرک۔ پھر وہ قبائل تھے جو یہود سے ملحق اور ان کے حلیف تھے۔ جہاں تک اپنے مخصوص نظام اور روایات کا تعلق تھا، اس "امت" کے ہر فریق کی یہ بحال رکھی گئیں لیکن دینی عقائد کے لحاظ سے مسلمان تمام دوسروں سے ممتاز تھے۔ البتہ یہ سب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیر رعایت اور آپ کی حکومت کے تحت متحد ہو گئے تھے تاکہ وہ باہم مل کر "تعمیر امت" کی تعمیر اور اس کی سرزمین کی حفاظت کریں۔

اس ضمن میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ کسی ظالم اور قصور وار کو یہ معاہدہ بچا نہیں سکے گا، کیونکہ وہ اپنے کئے کے لئے خود جواب دہ ہوگا۔ اس طرح کسی کو اپنے حلیف کی زیادتی کی وجہ سے پکڑا نہیں جائے گا۔ عرب میں اس زمانے میں حلیف کے اعمال کا بدلہ اس شخص سے لیا جاتا تھا، جس کا وہ حلیف ہوتا تھا۔ پھر یہ کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو، اس کی مدد ہر ایک پر واجب ہے۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جس معاشرے کی بنیاد رکھی تھی اس کی اجمالی صورت کی تصویر قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتی ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکرٍ و انثی۔ وجعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ [1]

اوپر کی تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ "حکومتِ محمدیہ" کی نوعیت شورائی اور "مقید" تھی یعنی یہ کہ وہ اس عہد پر گامزن تھی، جس کا اعلان رسول اللہ صلعم نے مدینہ پہنچتے ہی فرمایا تھا۔ بلکہ اس سے

---

[1] (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار و متقی ہے۔

بھی بڑھ کر آپ اس میثاق کے پابند (مقید) تھے۔ جو ہر دستور سے برتر و اعلیٰ ہے، اور وہ میثاق تھا قرآن کریم اور وحی الٰہی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک [1]

چنانچہ نبوی حکومت کا اصل دستور قرآن تھا۔ رسول اللہ صلعم پر خدا تعالےٰ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوتا تھا، آپ اسے نافذ فرماتے اور مومنین کا فرض تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان تکون لھم الخیرۃ من امرھم [2]

---

[1] (ترجمہ) اللہ نے جو کچھ اتارا ہے، اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلے کرو۔ اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جاؤ اور ان سے بچتے رہنا کہ یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں کسی ایسی بات سے جو اللہ نے تم پر اتاری ہے۔

[2] جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اس بارے میں اختیار نہیں رہتا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفہ کے اساسی اصول پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا مطالعہ کیا جائے، تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نے جس طرح انسان کی باطنی استعدادوں کے تزکیہ اور ان کی اصلاح کے بعد اسے قابل بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رویت کا اہل ہوسکے اسی طرح انہوں نے تہذیب جوارح کا فرض بھی ادا کیا۔ شاہ صاحب کی رائے میں نبوت کا مقصد انسان کی پوری زندگی کی اصلاح اور تہذیب ہے اور نبوت "حسنۃ فی الدنیا" اور "حسنۃ فی الآخرۃ" دونوں پر حاوی اور دونوں کی نگراں ہے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی)